یکے از مطبوعات بزمِ اقبال، لاہور

اِقبال اور مُلّا

از

ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، ایم اے، پی ایچ ڈی

بزمِ اقبال نرسنگھ داس گارڈن - کلب روڈ - لاہور

تیسرا	....	ہزار
چوتھا	....	ہزار
پانچواں	....	ہزار
چھٹا	....	ہزار
ساتواں	....	پانچ سو
آٹھواں	....	دو ہزار

اقبال اور مُلّا

کچھ غلط اندیش صوفی ترک دنیا کی تعلیم دینے والے خواہ اپنی خانقاہوں میں انھوں نے اطمینان بخش اور وافر رزق کا انتظام کر لیا ہو اور کچھ تنگ نظر اور کج فہم ملا جن کا کام فروعی تفریقات پر فرقہ بندی کرنا ہے، اقبال ان دونوں گروہوں سے ایسا ہی بیزار تھا جیسا کہ الحاد پسند مغرب زدوں سے۔ ابتدائی دور میں سر سید کی لوح تربت پر انھوں نے روح سید سے جو پیغام حاصل کیا، اس میں ان دونوں گروہوں سے خبردار رہنے کی تلقین ہے:

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں
وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہؤا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے
محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جو اب نہ آئیں اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

جس اسلام نے فقط لا الہ الا اللہ کہنے والے کو مسلم قرار دیا تھا اور لا اکراہ فی الدین کی عالمگیر رواداری کا اعلان کیا تھا، اس کے اندر فروعی عقائد کی بنا پر مخالفت اور منافرت تاریخ دین کا ایک المناک حادثہ ہے۔ ایسے مسلمان اسلام کو کس طرح امن عامہ کا ضامن اور کفیل بنا سکیں گے، جن کے اندر خود ہفتاد و دو ملت کی جنگ زندگی کا جزو لاینفک بن جائے۔ ایسی ہی لا دینی مذہبیت کے متعلق حالی نے کہا تھا:

فساد مذہب نے ہیں جو ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے
یہ جنگ وہ ہے کہ صلح میں بھی یونہیں ٹھنی کی ٹھنی رہے گی

اقبال نے بھی ملت کو خبردار کیا کہ دیکھو فرقہ بندی کے لیے

اپنی زبان نہ کھولنا ۔ اگر ایسا کیا تو ملت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور انسانیت کی کشتی ایک طوفان بے تمیزی میں تھپیڑے کھانے لگے گی ۔ نظری ، تعلیمی اور تبلیغی لحاظ سے اقبال کو بجا طور پر پاکستان کا بانی قرار دیا جاتا ہے ۔ افسوس ہے کہ اس کا خواب جب سیاسی حیثیت سے ایک حقیقت بن گیا تو مسلمان اس تنبیہ کو بھول گئے اور عقائد ہی نہیں بلکہ اصطلاحات دینی کی پرخاش میں قتل و غارت پر آمادہ ہو گئے ۔

اقبال کے کلام میں سب سے پہلے مولوی کی نفسیات کا تجزیہ اس نظم میں ملتا ہے جس کا عنوان ہے : 'اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی'۔ ان مولوی صاحب نے کسی قدر متصوفانہ ہتھکنڈے بھی دین فروشی میں شامل کر رکھے تھے ۔ اس نظم میں طنزیہ تنقید کے ساتھ اقبال کے اپنے عقائد کی بھی کچھ جھلک ملتی ہے ۔ مولوی تو ہر فروعی اختلاف پر مخالف کو کافر قرار دیتا ہے ، لیکن اقبال غیر مسلم موحد کو بھی کافر نہیں سمجھتے تھے اور اکثر اکابر صوفیہ کی طرح سماع کو روح پرور جانتے تھے ۔ بقول مولانا روم :

خشک تار وخشک چوب و خشک پوست
از کجا می آید ایں آواز دوست
سرّ پنہان است اندر زیر و بم
فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

اقبال کی اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں :

لبریز مئے زہد سے بھی دل کی صراحی
تھی تہ میں کہیں دردخیال ہمہ دانی
کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی
منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی
سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کوسمجھتا
ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ دانی
سمجھا ہے کہ ہےراگ عبادات میں داخل
مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
اس رمز کے اب تک نہ کھلے ہم پہ معانی
گر آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
پیدا نہیں کچھ اس سے قصور ہمہ دانی

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

ملا اگر شریعت کا پابند ہوتا ، گو اس کی روح سے پوری طرح آشنا نہ بھی ہوتا ، تو بھی اقبال کے دل میں ملائیت کے خلاف اس قدر حقارت کا جذبہ پیدا نہ ہوتا ۔ لیکن وہ دیکھتا تھا کہ ملا شریعت میں بھی فقط ان باتوں کی ظاہری پابندی کرتا ہے ، جن میں اس کو کچھ مادی نقصان کا اندیشہ نہ ہو ۔ لیکن اگر اپنے مادی مفاد پر زد پڑتی ہو تو پھر شریعت کے احکام کو بھی یا تو نظر انداز کر دیتا ہے یا ان کی حسب منشا تاویل کر لیتا ہے ۔ علامہ اقبال ہر اہل دل اور حکمت پسند عارف کی طرح اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ شریعت کا ایک باطن ہے اور ایک ظاہر ۔ ایک اس کی صورت ہے اور ایک معنی ہیں ۔ معنی کا اظہار بھی کسی نہ کسی صورت ہی میں ہوتا ہے جیسا کہ ان کے مرشد رومی نے 'فیہ ما فیہ' میں فرمایا ہے کہ دین کا ایک مغز ہے اور ایک اس کا چھلکا ۔ فطرت کسی جگہ مغز کو بغیر چھلکے کے نہیں پیش کرتی ۔ چھلکا مغز کا محافظ ہوتا ہے لیکن ادنیٰ طبیعوں میں دین کی ظاہر پرستی ایسی شدت اختیار کر لیتی ہے کہ لوگ مغز کی لذت سے نا آشنا ہو کر گاو و خر کی طرح فقط چھلکوں پر قناعت کر لیتے ہیں اور دین کا تمام دار و مدار ان چھلکوں پر رہ جاتا ہے ۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ خود قرآن میں بھی معرفت کا مغز ہے لیکن اس کو لازماً الفاظ کی ہڈیوں کے اندر رکھا گیا ہے ۔ جو لوگ دین کی روح سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں ، وہ ان ہڈیوں پر کتوں کی طرح لڑنے لگتے ہیں ۔ سیرت صحابہ میں ان کی نظر جوہر اخلاق پر نہیں پڑتی بلکہ ان بحثوں میں پڑ کر دین میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں کہ صحابیوں میں کون افضل تھا اور کون کمتر ۔ ایسے لوگوں پر دین کی روح کبھی آشکار نہیں ہو سکی ۔

اے کہ نشناسی خفی را از جلی هشیار باش
اے گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ هشیار باش

اس قسم کی بے سود اور بے مغز، لا طائل اور لا حاصل بحثوں کو ملا دین سمجھ لیتا ھے اور رفتہ رفتہ اس کو جدل کا ایسا چسکا پڑ جاتا ھے کہ اگر وہ کسی طرح جنت میں بھی پہنچ جائے تو وهاں مناظرانہ شغل کے نہ ھونے کی وجہ سے وہ کچھ لطف محسوس نہ کرے گا۔ ''ملا اور بہشت'' والی نظم میں علامہ اقبال فرماتے ھیں:

میں بھی حاضر تھا وھاں ضبط سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے الٰہی مری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ھے بد آموزیٔ اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

اسلام مومن سے جس سیرت کا تقاضا کرتا ھے وہ یہ ھے:

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دل گرمے، نگاہ پاک بینے، جان بے تابے

اقبال نے دیکھا کہ مدعیان دین اور حامیان شرع متین میں نہ افکار کی بلندی ھے نہ حوصلہ مندی، نہ دل بیتاب ھے اور نہ مشرب ناب، نہ دل گرم ھے اور نہ نگاہ پاک، تو اس نے اس طبقے کو دین کے لیے ایک خطرہ سمجھا۔ ایسے لوگوں کو جب سوجھے گی کوئی ادنیٰ بات ھی سوجھے گی۔ کسی بلند مقصد کے لیے قربانی تو در کنار وہ مقصد ھی ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ چنانچہ تاسیس پاکستان کی جد و جہد میں اس کا یہ خیال صحیح ثابت ھؤا۔ بڑے بڑے خرقہ و عمامہ والے ملا، محدث، مفسر اور فقیہ اس تحریک کے مخالف ھو کر متعصب اور مسلمان کش لوگوں کے ساتھ ھو کر ملت اسلامیہ سے آمادۂ پیکار ھو گئے۔

ملا کو اسلامی مملکت کی ضرورت محسوس نہ ھوئی۔ اس کا تصور

ایک نے نواز صاحب دل نے پیش کیا اور اس کے لیے قربانیاں کرنے والوں میں ملا کہیں نظر نہ آئے ، الا ماشاءاللہ ۔

ترا با خرقہ و عمامہ کارے
من از خود یافتم بوئے نگارے
همیں یک چوب من سرمایۂ من
نہ چوب منبرے نے چوب دارے

ملا کی یہ کیفیت اس لیے ہوئی کہ وہ روح اسلام سے نا آشنا ہونے کے ساتھ علوم و فنون اور زندگی کے حقائق سے بیگانہ ہو گیا ۔ اس کو اب مدرسے میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں وہ فرسودہ ہو چکے ہیں ۔ منطق اور فلسفہ اور کلام کی وہی مسخ شدہ یونانی بحثیں ، وہی اشاعرہ اور معتزلہ اور جبریہ و قدریہ کے متکلمانہ مناظرے ۔ علم ہیئت کے انکشافات نے اجرام فلکیہ کا انقلابی تصور پیش کر کے ریاضیات اور تجربات سے اس کو یقینی علوم میں داخل کر دیا ۔ لیکن ملا کے مدرسے میں ابھی تک بطلیموس کا پرانا نظریہ کہ زمین نظام شمسی کا مرکز ہے ، علم الافلاک میں مستند شمار ہوتا ہے اور اس کو بھی ایک طرح سے دینی عقاید کا جزو خیال کیا جاتا ہے ۔

حدیث ہو یا تفسیر ہو یا فقہ ، قدیم تحقیقات میں بھی وہ چیزیں لی جاتی ہیں جو جامد ہیں ۔ انسان کی معلومات میں جو اضافہ ہوا ہے یا جو بدلے ہوئے حالات کا تقاضا ہے ، اس کی روشنی میں کسی بات پر نظر ثانی کرنا حرام ہے ۔ اقبال کا یہ راسخ عقیدہ تھا کہ قرآن کریم کی تعلیم محض کسی ایک زمانے اور ایک قوم کے لیے نہیں ہے ۔ ہر زمانہ جب اس میں غوطہ لگائے تو اس کو نئے آبدار موتی ملیں گے ۔ کسی ایک زمانے میں لکھی ہوئی قرآن کی تفسیر کے بعض اجزا دوسرے زمانے کے لیے بے مصرف ہو جائیں گے اور زندگی کے جدید انکشافات کی روشنی میں لوگوں کو نئے معنی نظر آنے لگیں گے ، جن تک متقدمین کی رسائی نہ ہو سکتی تھی ۔ فقہ کے تمام دفتر کو وہ نظر ثانی کا محتاج سمجھتے تھے اور اس کے خواہش مند تھے کہ زندگی کے بدلے ہوئے علائق کے لیے قرآن کی بنیادی تعلیم کے مطابق قوانین میں رد و بدل کی جائے ۔ فقہ کے بارے

میں وہ غیر مقلد تھے ۔ دین میں قرآن کے سوا کسی چیز کو وہ ایسی سند نہ سمجھتے تھے جس کے سامنے شدتِ تقلید میں سرِ تسلیم خم کر دیا جائے ۔ مولانا روم تو کہ گئے تھے کہ ملا اور فقیہ ہڈیوں پر لڑتے ہیں ۔ لیکن اقبال کا خیال تھا کہ یہ ان ہڈیوں پر لڑتے ہیں جو صدیوں سے چچوڑی ہوئی ہیں ۔ دنیا جن چیزوں کو صدیوں پیچھے چھوڑ گئی ، ملا کی تعلیم میں وہ ابھی تک جوں کی توں داخل ہیں ۔ تعلیم کے لحاظ سے ملا چودھویں صدی ھجری میں نہیں بلکہ چوتھی صدی میں رھتا ہے اور اس نے یہ عقیدہ استوار کر رکھا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ چوتھی صدی کے بعد بند ہو چکا ہے ۔ جو لکیریں پہلے پڑ چکی ہیں ، ان سے سر مو تجاوز نہیں ہو سکتا ۔ آگے بڑھنے کی بجائے جو راستے طے ہو چکے ہیں ، یہ بار بار انہیں کی طرف واپس لوٹتا ہے اور کولھو کے بیل کی طرح اس کی گردش کوئی فاصلہ طے نہیں کرتی اور وہ ایک قدم کسی سمت میں آگے نہیں بڑھتا ۔

سبوے خانقاهاں خالی از مے ۔۔۔ کند مکتب رہ طے کردہ راہ طے

اقبال تو روحانی ترقی اس کو سمجھتا تھا کہ:

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی ۔۔۔ اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

جب علم و عمل میں یہ جمود پیدا ہو جائے اور یہ جامد لوگ ھی دین کے محافظ رہ جائیں تو ملت کا خدا حافظ ہے ۔ ایسے لوگوں سے رھنمائی اور خیر کی کیا توقع ہو سکتی ہے ۔ ان کے انداز دیکھ کر کسی کو خیر کی توقع نہیں ہو سکتی ۔ جب دین کا یہ کام رہ جائے کہ ہر فروعی عقیدے کو معیار کفر و ایمان بنا کر لوگوں میں وصل کی بجائے فصل پیدا کیا جائے تو جو ملت دین کی اس مسخ شدہ صورت سے متأثر ہوگی اس کا یہی حشر ہوگا ۔

مسلماناں بخویشاں در ستیز اند ۔۔۔ بجز نقش دوئی بر دل نہ ریزند
بنا لند ار کسے خشتے بگیرد ۔۔۔ ازاں مسجد کہ خود ازوے گریزند
نگہبان حرم معمار دیر است ۔۔۔ یقینش مردہ و چشمش بہ غیر است
ز انداز نگاہ او تواں دید ۔۔۔ کہ نو مید از همه اسباب خیر است

جن مکتبوں میں ابھی تک غلاموں اور لونڈیوں کی فقہ پڑھائی جائے حالانکہ ایک عرصے سے دنیا سے یہ لعنت اٹھ گئی ہو تو فرسودہ

معلومات کے اس ریگستان میں کسی کی علمی اور روحانی پیاس کیسے بجھ سکتی ہے! ملا کے دل میں مسلمانوں کی پستی اور ذلت کا حقیقت میں کوئی غم نہیں ہے۔ غم دین تو غم عشق ہوتا ہے غم روزگار نہیں ہوتا اور ملائیت میں کہیں عشق کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ فقیہانہ موشگافیوں میں اس کو عشق کہاں سے ملے گا۔ بقول عارفِ رومی:

زاں طرف که عشق می افزود درد
بو حنفیه و شافعی در سے نکرد

علامہ اقبال ملائیت کے متعلق کوئی محض شاعرانہ مبالغہ نہیں کرتے، وہ اس کی ایسی نفسیات بیان کرتے ہیں جو اہلِ نظر پر ظاہر ہے۔

دلِ ملّا گرفتار غمے نیست
نگاهش هست درچشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتب او
که در ریگِ حجازش زمزمے نیست
سرِ منبر کلامش نیش دار است
که او را صد کتاب اندر کنار است
حضورِ تو من از خجلت نه گفتم
ز خود پنهان و بر ما آشکار است

ارتقا پسند اقبال کو دینی تصورات کے جمود پر اس قدر افسوس ہے کہ وہ اپنے اس خیال کو بار بار دھراتا ہے۔ بوے رمیدہ کبھی پھول میں واپس نہیں آتی، قوموں کے گزرے ہوئے انداز بھی واپس نہیں آ سکتے۔ زمانے کے انداز بھی بدل گئے اور اس کے ساز بھی بدل گئے۔

هر آں قومے که می ریزد بهارش
نسازد جز به بو هاے رمیده
ز خاکش لاله می روید ولیکن
قبائے دارد از رنگ پریده

پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار

انسانوں کی طرح الفاظ کی زندگی بھی تحقیر سے توقیر میں اور توقیر سے تذلیل میں بدلتی رہتی ہے ۔ صدیوں تک ملا کا لفظ ایک معزز لقب تھا جو عالم و عابد کے لیے مخصوص تھا ۔ لیکن رفتہ رفتہ جب علم جامد ہو گیا ، کچھ الفاظ کے خول رہ گئے جن میں سے معنی نکل گئے روایات کی ہڈیاں رہ گئیں جن میں اب کوئی مغز نہ تھا اور عبادت ظواہر کی پابندی کا نام رہ گیا جن میں صورت معنی پر غالب آ گئی تو ایسے علم اور ایسی عبادت کے مدعی اہل نظر کی نظروں سے گر گئے ۔ جن لوگوں سے توقع ہو سکتی تھی کہ وہ دین و دانش کے علم بردار ہوں گے ، وہ بے روح مذہبیت کے اجارہ دار بن گئے ۔ جبہ و عمامہ و ریش دراز دینداری کی لازمی علامت قرار دیے گئے ۔ ان کو علوم و فنون کی ترقی سے کوئی واسطہ نہ رہا ۔ یہ لوگ زندگی کے حقائق سے بے تعلق اور بیگانہ ہو گئے ۔ خدمت خلق کا جذبہ ان میں مفقود ہو گیا اور اس کی بجائے یہ تقاضا استوار ہو گیا کہ خلق خدا کو ہماری خدمت کرنی چاہیے ۔ علوم و فنون سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے وہ حلال کی روزی کمانے کے لائق نہ رہے ۔ کچھ آیات و روایات کا حفظ کر لینا ان کے نزدیک محافظت دین کے لیے کافی ہے ۔ جب یہ نوبت پہنچی تو سمجھنے والوں کے لیے یہ طبقہ مضحکہ خیز اور ہدف تمسخر بن گیا ۔ ایک طرف صوفی مزاج اہل دل اور دوسری طرف اہل حکمت نے مسجدوں کے ان اماموں کو ائمۂ جہالت قرار دیا ۔ شعرا کے ہاں شیخ کی ظاہر پرستی اور روحانیت کے فقدان کا مضمون باعث تفریح ہو گیا ۔ اور یہ خیال مسلم ہو گیا کہ واعظ جاہل بھی ہوتا ہے اور بے عمل بھی ۔ اگر سنی سنائی اچھی باتوں کا وعظ بھی کہتا ہے تو وہ اس کے دل سے نہیں نکلتا کیونکہ اس کا دل لطیف تأثرات سے خالی ہوتا ہے ۔ چونکہ دل سے نہیں نکلتا اس لیے دلوں پر اثر بھی نہیں کرتا ۔ جو چیز نہ دل سے نکلے اور نہ کہنے والا اپنے عمل میں اس کا پابند ہو ، وہ مؤثر کیسے ہو سکتی ہے ۔ حافظ علیہ الرحمۃ کا کلام بھی اس طبقے کی سیرت کے تجزیے سے لبریز ہے ۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند
مشکلے دارم ز دانشمند محفل باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

جب اس تنگ دل اور تنگ دماغ گروہ نے پاکیزہ باطن لوگوں کو بے دین کہنا شروع کیا تو اہل دل نے یہ رویہ اختیار کیا کہ ان لوگوں کے برا کہنے کا برا نہیں ماننا چاہیے کیونکہ وہ اہل باطن کی کیفیت سے واقف ھی نہیں ھیں:

زاہدِ ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست
در حق ماہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

مدعیان کی دین داری نے وہ رنگ اختیار کیا جس پر کفر بھی شرمانے لگے۔ جب اس خدا ناشناس طبقے نے فقط اپنے آپ کو مسلمان، اور اہل دل اور اہل حکمت کو کافر کہا تو انھوں نے بھی خود اپنے لیے یہ اصطلاح اختیار کر لی اور بے دھڑک کہنے لگے کہ:

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر مذہب عشق اختیار کیا

شراب خوری ایک مذموم فعل ھے۔ رندی بھی کوئی قابل فخر چیز نہیں۔ لذت پرستی بھی ایک ادنیٰ محرک عمل ھے، لیکن حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ھیں کہ ان تمام ذنوب و معاصی کا مرتکب بھی اس شخص سے بہتر ھے جو قرآن کو دام تزویر بناتا ھے۔

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تزویز مکن چوں دگراں قرآن را

اسی مضمون کو غالب نے اور تیز کر دیا کہ جتنی لذت پرستی چاھو کر لو لیکن یہ حرکت نہ کرنا کہ خدا کو سجود سے اور نبی کو درود سے دھوکا دے کر اپنے اسفل اغراض کو پورا کرتے پھرو۔

فرصت اگرت دست دھد مغتنم انگار
ساقی و مغنی و شرابے و سرودے
زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بہ سجودے و نبی را بہ درودے

حافظ علیه الرحمة ایک دوسرے شعر میں فرماتے ہیں :

گر مسلمانی همیں است که واعظ گوید
وائے گر در پسِ امروز بود فردائے

جب دین کی حقیقت دلوں میں اور سیرتوں میں باقی نہیں رہتی تو دین فقط چند افسانوں پر مشتمل رہ جاتا ہے - فروعات اور مصطلحات کے جھگڑے ، تاویلات کے اختلافات ، کھوکھلی روایات کی بے مصرف چھان بین ، فقیہانہ بحثیں اور منطقی موشگافیاں ذوق فتنہ اور خواہش اقتدار کی پرورش کرتی ہیں - وحدت انسانی کا دین بہتر اکھاڑوں میں منتشر ہو جاتا ہے -

جنگِ هفتاد و دو ملّت همه را عذر بنه
چوں نه دیدند حقیقت رہ افسانه زدند

رابندرا ناتھ ٹاگور کا خاندان پیر علی برھمن کہلاتا ہے ، کیونکہ ان کے آبا و اجداد ایک برگزیدہ موحد پیر علی کے مرید تھے - جب وہ ایران گئے اور حافظ شیراز کے مزار پر نذر عقیدت پیش کرنے حاضر ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں مزار پر دیوان حافظ پڑا رہتا ہے جس میں سے لوگ فال دیکھتے ہیں - ٹاگور نے کہا کہ میں بھی لسان الغیب سے کچھ پوچھتا ہوں - چنانچہ انھوں نے دیوان کھولا تو فال میں یہی شعر نکلا کہ وحدت دین کو تنگ نظر لوگوں نے کس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے - عوام میں جس قدر جہالت ہوتی ہے ، اسی قدر وہ اس طبقے کی کج اندیشی اور رہزنی کا شکار ہوتے ہیں - جو ملا زیادہ اقتدار پسند ہوتا ہے ، وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے - وہ عوام کی جہالت کو اپنی قوت میں تبدیل کر کے جاہ و مال کا طالب ہوتا ہے - بقول اقبال ایسا ملا ہنگامۂ محشر پیدا کر سکتا ہے - مسلمانوں کی تاریخ میں جا بجا اس کی مثالیں ملیں گی لیکن اس کے ثبوت کے لیے تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت نہیں - دور حاضر میں بھی اس کے مظاہرے عبرت آموز طریقے سے آنکھوں کے سامنے آئے ہیں - ذوق اقتدار اگر نفس کے تحت الشعور میں گھس جائے تو دعوائے نبوت و مہدویت سے ادھر نہیں رکتا - یورپ اور امریکہ کے پاگل خانوں اور امراض نفسی کے

شفاخانوں میں بڑی کثرت سے اپنے آپ کو مسیح سمجھنے والے ملتے ہیں ۔ یہ مجانین اگر مشرق میں ہوتے ، خصوصاً خطۂ پنجاب میں ، تو ان میں سے کوئی ذہین دیوانہ بکار خویش ہشیار ضرور اچھی خاصی امت پیدا کر لیتا ۔ علامہ اقبال پنجاب کے زندہ دل ہونے کے قائل تھے اور اس کے سادہ دل عوام کی خوبیوں کو تسلیم کرتے تھے ، لیکن یہ حقیقت ان کو بڑی جانگزا معلوم ہوتی تھی کہ یہ لوگ جلد ہی کسی اقتدار پسند مدعیٔ مذہب کے پیرو بن کر تن من دھن کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں ۔ ہندو ہو یا مسلمان ، اس کو پنجاب بھر میں سرفروش مرید ملتے ہیں ۔ چنانچہ دیا نند سرسوتی کا آریہ سماج یہیں ایک سماجی اور سیاسی قوت بنا ، ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اس کو عشر عشیر بھی کامیابی نہ ہوئی ۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں :

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد
ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حریتِ افکار کی نعمت ہے خدا داد
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

دین کی اصلیت از روے قرآن ایک سادہ حقیقت ہے ۔ الدین یسر ۔ خداے رحیم و کریم کی ہستی کا عقیدہ اور سیرت انسانی پر علم و عدل و رحمت کی صورت میں اس کا پرتو ، اس کے لیے نہ صرف و نحو اور ان بارہ علوم کو جاننے کی ضرورت ہے جن کے بغیر ملا کہتا ہے کہ دین سمجھ میں نہیں آ سکتا اور نہ اس کے لیے تفسیر کبیر پر حاوی ہونے کی ضرورت ہے جس کی نسبت ایک نقاد کہ گیا ہے کہ فیہ کل شیئی الا التفسیر ۔ اور جس کے مصنف کی نسبت عارف رومی کہ گیا ہے کہ :

گر به استدلال کار دیں بدے
فخر رازی راز دار دیں بدے
پاے استدلالیاں چوبیں بود
پاے چوبیں سخت بے تمکیں بود

تاویلوں کی کثرت نے دین کی اصلیت کو آنکھوں سے اوجھل کر دیا:

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ها
آناں که حسن روے تو تفسیر می کنند
خوابِ ندیده را همه تعبیر می کنند

علامه اقبال فرماتے هیں که قرآن کی ان تاویلوں نے خدا و جبرئیل و مصطفیٰ کو حیرت میں ڈال دیا ہے - جب قرآن پر عمل کرنے والے خال خال رہ گئے تو پھر یه بحث شروع ہو گئی که پہلے اس عقیدے کا فیصله ہونا چاہیے که قرآن حادث ہے یا قدیم ؟ قرآن ازل میں موجود تھا یا بوقت بعثت محمد صلعم نازل ہوا ؟ اس کے الفاظ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق ؟ اسی طرح خدا کی صفات کو اپنی زندگی میں اقدار حیات سمجھ کر اپنانے سے پہلے یه مسئله صاف ہو جانا چاہیے که صفات الٰہیه اس کی ذات اور عین میں داخل ہیں یا ذات سے خارج ہیں ؟ خدا پرستی سے پہلے منطقی مسئله صاف ہونا چاہیے - نبیٔ کریمؐ کو سیرت انسانی کے لیے اعلیٰ ترین نمونه اور اسوۂ حسنه سمجھنے سے پیشتر ابن مریم کی موت و حیات کا مسئله واضح ہونا چاہیے - تحریک خلافت میں جب بہت سے مولوی صاحبان سیاست کے میدان میں کودے تو پھر ان کی یه کیفیت تھی که ان سیاسی علما نے لاہور میں ایک بہت بڑا اجتماع کیا تا که اس مسئلے کا فیصله کیا جائے که خداے تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں - امکان کذب باری تعالیٰ پر بہت گرما گرم بحثیں ہوئیں - اسی پر ایمان و کفر کا مدار ٹھہرا - ایک دوسرے سے تعاون یا عدم تعاون کے لیے بھی یہی عقیده معیار بن گیا - علامه اقبال فرماتے ہیں که ہمارے ملا جس کام میں مصروف ہیں ، یه وہی کام ہے جو ابلیس نے اپنی مجلس شوریٰ میں اپنے ہمکاروں کے سپرد کیا تھا - ملا شیطان کی مجلس شوریٰ کے فیصلوں پر عمل کر رہا ہے -

ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق ، حق سے جدا یا عینِ ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات
مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

علامہ اقبال ایک روز مجھ سے فرمانے لگے کہ اکثر پیشہ ور ملا عملاً اسلام کے منکر، اس کی شریعت سے منحرف اور مادہ پرست دھریہ ہوتے ہیں ۔ فرمایا کہ ایک مقدمے کے سلسلے میں ایک مولوی صاحب میرے پاس اکثر آتے تھے ۔ مقدمے کی باتوں کے ساتھ ساتھ ہر وقت یہ تلقین ضرور کرتے تھے کہ دیکھیے ڈاکٹر صاحب آپ بھی عالم دین ہیں اور اسلام کی بابت نہایت لطیف باتیں کرتے ہیں ، لیکن افسوس ہے کہ آپ کی شکل مسلمانوں کی سی نہیں ، آپ کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں ۔ میں اکثر ٹال کر کہ دیتا کہ ہاں مولوی صاحب آپ سچ فرماتے ہیں۔ یہ ایک کوتاہی ہے علاوہ اور کوتاہیوں کے ۔ ایک روز مولوی صاحب نے تلقین میں ذرا شدت برتی تو میں نے عرض کیا کہ مولوی صاحب آپ کے وعظ سے متأثر ہو کر ہم نے آج ایک فیصلہ کیا ہے ۔

آپ میرے پاس اس مقدمے کے سلسلے میں آتے ھیں کہ آپ باپ کے ترکے میں سے اپنی بہن کو زمین کا حصہ نہیں دینا چاھتے اور کہتے ھیں کہ آپ کے ھاں شریعت کے مطابق نہیں بلکہ رواج کے مطابق ترکہ تسلیم ھوتا ھے اور انگریزی عدالتوں نے اس کو تسلیم کر لیا ھے ۔ میری بے ریشی کو بھی دینی کوتاھی سمجھ لیجیے ، لیکن رواج کے مقابلے میں شریعت کو بالاے طاق رکھ دینا اس سے کہیں زیادہ گناھگاری ھے ۔ میں نے آج یہ عہد کیا ھے کہ آپ بہن کو شرعی حصہ دے دیں اور میں ڈاڑھی بڑھا لیتا ھوں ۔ لائیے ھاتھ ، آپ کی بدولت ھماری بھی آج اصلاح ھو جائے ۔ اس پر مولوی صاحب دم بخود ھو گئے اور میری طرف ھاتھ نہ بڑھ سکا ۔ اس مولوی صاحب کی شریعت گریزی سے مجھے ایک اور بات یاد آ گئی ۔

عرصہ ھؤا بعض احباب کی دعوت پر رؤف بے ھندوستان تشریف لائے ۔ وہ جدید ترکی کے بانیوں میں سے تھے اور سیرت و کردار کے لحاظ سے ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے ۔ مصطفیٰ کمال کی آمریت سے قبل وہ ترکی کے وزیر اعظم تھے ۔ وہ حیدر آباد دکن بھی تشریف لائے ۔ مجھے ان سے شرف ملاقات حاصل ھؤا ۔ میری درخواست پر ایک دن انھوں نے میرے ساتھ گزارا اور ترکی تحریک انقلاب اور انجمن اتحاد و ترقی کی مکمل داستان سنائی ۔ مصطفیٰ کمال کے متعلق دریافت کرتے ھوئے میں نے کہا کہ مذھب کو سیاست سے بالکل الگ کر دینا تو ھمیں درست معلوم نہیں ھوتا ۔ کسی ملت اسلامیہ کی سیاست دین اسلام سے مطلقاً بیگانہ کس طرح رہ سکتی ھے ! آپ کا اس کی نسبت کیا خیال ھے ؟ مصطفیٰ کمال نے یہ اقدام کیوں کیا ؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ قدم مصطفیٰ کمال نے نہیں بلکہ میں نے اٹھایا جب میں وزیر اعظم تھا ۔ مصطفیٰ کمال بعد میں شدت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ھو گیا ۔ دین و سیاست کی اس علحدگی کا میں ذمہ دار ھوں ۔ اس لیے اس کی جواب طلبی مجھ سے کرو ۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ تمھیں اس کا اندازہ نہیں ھو سکتا کہ ترکی میں دین کا علمبردار ملا کس قسم کا انسان تھا ۔ وہ نہ صرف دنیاوی امور بلکہ دین کے حقائق سے بھی مطلقاً بیگانہ تھا لیکن اس کا اقتدار اتنا تھا کہ عوام تو ایک طرف خود حکومت کے ارباب حل و عقد

بھی اس سے مرعوب تھے - ترکی حکومت ایک قسم کی تھیو کریسی (theocracy) بن گئی تھی - اس طبقے نے سیاست میں دخل انداز ہو کر اور مطلق العنان بے بصیرت حکمرانوں کے استبداد میں شریک ہو کر ترکی قوم کو ترقی کا کوئی قدم نہ اٹھانے دیا - یہ گروہ جدید علوم و فنون اور ترقی کا دشمن تھا ، کیوں کہ وہ اس کو اپنے اقتدار اور مفاد کے خلاف سمجھتا تھا - ترکی کی سلطنت ان کی رجعت پسندی سے ایسی کمزور ہو گئی کہ چھوٹی چھوٹی فرنگی ریاستوں سے مغلوب ہونے کی نوبت آ گئی - فوج کی جدید تنظیم کی انھوں نے مخالفت کی - ترکی میں چھاپے خانہ قائم کرنے کو بھی بدعت قرار دیا - دین اور سیاست کے اس قسم کے گٹھ جوڑ نے ہماری قوم کو کمزور اور ذلیل کر دیا - دین کی اس مداخلت سے سیاست خراب ہوئی اور سیاست کی آمیزش سے خود دین خراب ہوا - فرمانے لگے کہ میں مسلمان ہوں اور تہ دل سے اسلام کی صداقت کا معتقد ہوں - میں نے خود دین کو خالص کرنے کے لیے یہ اقدام کیا کہ اس کے نادان دوستوں کو سیاست سے الگ کر دیا جائے - اس طرح سیاست بھی خالص ہو جائے گی اور قوم کی بقا اور اس کے مفاد پر آزادی سے غور و فکر ہو سکے گا اور دین بھی خراب سیاست کی آلودگی سے بچ جائے گا - ہر قدم پر خود غرض اور جاھل ملا سے پوچھنا کہ کیا جائز ہے اور کیا نا جائز ؟ اس کا تلخ تجربہ ہم کو ہو چکا تھا - ہم دودھ کے جلے اب چھاچھ کو بھی پھونک کر پینے پر مجبور تھے - فرمانے لگے کہ ہمارے ملا میں قوت ایمان کتنی تھی ، اس کا ایک قصہ میں تمھیں سناتا ہوں جو میرا ذاتی تجربہ ہے - میں جنگی جہاز حمیدیہ کا کمانڈر تھا - انگریزوں کے خلاف جنگ میں بحیرۂ روم میں اس پر ایک آبدوز کشتی نے تار پیڈو مارا - جہاز میں افراتفری مچ گئی - میں نیچے انجن کے کمرے میں اترا اور اچھی طرح معائنہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ جہاز مجروح ہونے کے باوجود کسی قدر مرمت اور دیکھ بھال سے استنبول تک پہنچ جائے گا اور ڈوبنے کا خطرہ نہیں - چنانچہ میں نے جہاز پر ایک اعلان کروا دیا کہ جہاز خطرے میں نہیں ، اس لیے حفاظتی پیٹیاں نہ باندھی جائیں - جہاز کے تمام افسر اور ملازم مطمئن ہوگئے - اس کے بعد میں عرشۂ جہاز

پر کھڑا تھا اور جہاز میں متعین امام صاحب میرے روبرو تھے میں نے دیکھا کہ ان کا جبہ اندر سے بہت پھولا پھولا ہے۔ سمجھ گیا کہ اس شخص نے اندر لائف بلٹ (Life Belt) پہن رکھی ہے - جنگی جہاز پر احکام کی خلاف ورزی سنگین جرم ہے۔ میں نے ان کے جبے کو ٹٹول کر پوچھا کہ یہ کیا پہن رکھا ہے ؟ کھسیانے ہو کر معذرت کرنے لگے۔ میں نے کہا تم مجرم بھی ہو اور بے ایمان بھی - سب سے زیادہ موت کا خوف تمھیں ہی ہے - ایمان والے تو موت سے نہیں ڈرتے - تمام جہاز میں سینکڑوں آدمیوں میں تمھیں ایمان کے محافظ اور دین کے علم بردار ، اور تمھارا یہ حال کہ باقی سب دنیادار افراد تم سے زیادہ ایمان والے ہیں - میں نے اس معمولی لعنت ملامت کے سوا اور اس سے کچھ باز پرس نہ کی ، مگر مجھے خیال ہؤا کہ اس کے ایمان کی ذرا مزید آزمائش کروں۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جہاز اگر صحیح و سلامت استنبول پہنچ گیا تو تمام افسروں کو دعوت کھلاؤگے یا نہیں ؟ کہنے لگے کہ ہاں ، جان بچ گئی تو دعوت کیا چیز ہے - پھر میں نے ایک بڑے اونچے درجے کے رسٹارانٹ کا نام لیا جو بہت گراں تھا - اس پر بھی وہ راضی ہو گئے - آخر میں نے کہا کہ ایک شرط باقی ہے اور وہ یہ کہ جہاز کے اکثر افسر شراب پیتے ہیں ، اگر دعوت میں ان کو شراب نہ ملے تو سمجھتے ہیں کہ دعوت بے مزہ تھی - اگر ان کو شراب پلانے کا بھی وعدہ کرو تو جان کی سلامتی کی عید ہوتی ہے - مولوی صاحب فوراً بولے کہ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں - یہ واقعہ بیان کر کے فرمانے لگے کہ یہ لوگ تھے جو چاہتے تھے کہ دین سیاست میں دخل انداز رہے تاکہ دین کا جو مفہوم ان کے نزدیک ہے اور جو ان کے ذاتی مفاد کے ساتھ وابستہ ہے ، اس سے سر مو تجاوز نہ ہو سکے خواہ قوم اور ملک جہنم کے گڑھے میں جائے۔ یہ پاکستان بننے سے کوئی دس بارہ سال قبل کی بات ہے جب ہمارے ہاں مقتدی ہوں یا امام ، سب کے سب غلام تھے اور مذہبی بحثیں روایتی اور کتابی ہوتی تھیں - اب جب کہ فی سبیل اللہ ہمیں ایک وسیع مملکت مل گئی ہے سیاسی اور معاشرتی مسائل سے ہم اب دو چار ہوئے ہیں ، جہاں حقائق سے واسطہ ہے اور خالی فقیہانہ بحثوں اور فروعی عقائد کے جھگڑوں سے کام نہیں چل

سکتا ۔ اس وقت علامہ اقبال کہتے تھے کہ ترک اگر صبر اور تحقیق سے کام لیتے تو اسلامی بنیادوں پر ایک استوار دستور حکومت بنا سکتے تھے اور اچھے اجتہاد کے ساتھ فقہ کی تشکیل جدید کر سکتے تھے ۔ قرآنی قوانین کے علاوہ باقی تمام فقہ پر نظر ثانی ہو سکتی ہے جسے مسلمانوں نے اپنی کوتاہ نظری سے اسلام کا جزو غیر متبدل سمجھ لیا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کو اس وقت جان کے لالے پڑے ہوئے تھے ۔ پوری ملت کی حیات و موت کا سوال تھا ۔ خالص اسلامی دستور بنانے کے لیے ایک عرصے تک بحث و مباحثہ جاری رہتا اور علماء دین کو اس کام میں شریک کرنے سے کوئی مشکل حل نہ ہوتی بلکہ پیچ میں پیچ نکلتے آتے ۔ تا تریاق از عراق آوردہ شود ، مار گزیدہ مردہ شود ۔

ہم پاکستان میں پانچ برس سے اس آدھیڑ بُن میں لگے ہوئے ہیں اور ہنوز روز اول ہے ۔ صرف فیصلہ ہؤا تو اتنا کہ تمام اسلامی فرقوں کو تسلیم کر لیا جائے اور دستور و آئین و قوانین کے متعلق قران و سنت کی جو تاویل کسی فرقے کے ہاں صحیح ہو ، اس کو مان لیا جائے ۔ اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا راگ ، اس سے سنگیت میں کس طرح ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی ، اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ پانچ ملاؤں کو جو بقول اقبال لغت ہائے حجازی کے قارون ہوں ، ہر مسئلے میں رد و قبول کی اجازت دی جائے اور ان مدعیان دین کی رخصت کے بغیر نہ دستور بن سکے اور نہ کوئی قانون ۔

معاف کیجیے بات میں بات نکل آئی اور ایک طویل جملۂ معترضہ اصل مضمون میں حائل ہو گیا ۔ بتانا یہ چاہتا تھا کہ علامہ اقبال ملا کو کیا سمجتے تھے ۔ عشق اور خودی کے مضمون کی طرح یہ بھی اقبال کا ایک خاص مضمون تھا ۔ کچھ باتیں تو وہی تھیں جو صدیوں سے مدعیان دین سے بیزار لوگ کہتے آئے تھے لیکن اس شاعر کلیم نے ملا کی سیرت اور ذہنیت کا جو تجزیہ کیا ہے ، وہ خاص انہیں کا حصہ ہے ۔ علامہ نے پاکستان کا تصور پیش کیا اور ملت اسلامیہ کے لیے سیاسی استقلال اور آزاد سلطنت کے طالب ہوئے ۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اہل دین سب سے آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کریں لیکن

علما میں بڑے بڑے اکابر نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ۔ امام ہند بننے کے خواب دیکھنے والے ، ہندوؤں کے وظیفہ خوار اور دین سے ہٹی ہوئی وطن پرستی میں ان کے ہم کلام ہی نہیں بلکہ ابوالکلام یعنی کلام کے باپ ہو گئے ۔ جن کے علم و تقویٰ پر مدینے کی مہر ثبت تھی ، ان کی بابت جواھر لال نہرو کا ایک خط شائع ہو گیا کہ حسین احمد کو اتنے روپے دے چکا ہوں ، اب وہ اور مانگتے ھیں ۔ نہرو نے ان کے نام کے ساتھ نہ مولانا لکھا نہ جناب اور صاحب ، اس سے نتیجہ نکل سکتا ھے کہ وہ ایسے علما کو کس نظر سے دیکھتے تھے ۔ بے چارے اقبال کے مقابلے میں عمامہ والوں کی صفیں آمادہ بہ پیکار ہو گئیں ۔

اقبال نے ملائیت کے اس مظاھرے سے جل کر کہا :

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجمی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بو لہبی است

تقسیم ملک میں بڑے بڑے اقتدار پسند اور کج اندیش ملا تو ادھر ھی رہ گئے لیکن پاکستان کے شدید مخالفوں میں سے دو چار پاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے ادھر آ گئے ۔ کوئی شیخ الاسلام کا خواب دیکھنے لگا اور کوئی دینی آمریت کا ۔ عوام کی عقل کی طرح ان کا حافظہ بھی بہت کمزور ھوتا ھے ۔ تقریر و تحریر اور تاویل و تلبیس کے زور پر انھوں نے یہ پکارنا شروع کیا کہ نہ پاکستان کے بانی مسلمان تھے اور نہ اب اس کے حکمران مسلمان ھیں ۔ کوئی مومن ایسی حکومت سے وفاداری کا حلف نہ اٹھائے ۔ اگر پاکستان کے کسی حصے پر دشمن ناجائز قبضہ کر کے صف آرا ھے تو اس کے خلاف کوئی جد و جہد نہ کی جائے جب تک فقیہانہ اعتبار سے مسئلہ صاف نہ ہو جائے کہ جہاد ھے یا نہیں ۔ اقبال نے کیا صحیح نقشہ ایسی ملائیت کا کھینچا تھا کہ اس کا دین کافری سے بد تر ھے ۔ کافر جہاد

کرتا ہے اور ملا مومنوں کو جہاد سے روکتا ہے ۔ کبھی از روے فقہ اور کبھی از روے الہام تلوار کا جہاد ممنوع ہو جاتا ہے ۔ فقط قلم کا جہاد باقی رہ گیا ہے ۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ مومن پہ کرو خوےستم اور زیادہ

دنیا میں دوسرے مذاهب نے بڑی بڑی تنظیمات تبلیغ کے لیے قائم کر رکھی ہیں جہاں لاکھوں انسان جان و مال کی قربانی سے بودے مذهب کو بھی مضبوط کر دیتے ہیں ۔ ملا کو کبھی تبلیغ کی توفیق نہیں ہوئی ۔ اسے مومنوں کو کافر بنانے سے فرصت نہیں ۔ فلاں کے پیچھے نماز پڑھی تو کافر یا بیوی کو طلاق ، فلاں فرقہ واجب‌القتل فلاں فرقہ واجب التعزیر ۔ پاکستان کی ایک یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ ایک ملاے اعظم اور عالم مقتدر سے جو کچھ عرصہ ہوا بہت تذبذب اور سوچ بچار کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آگئے ہیں ، میں نے ایک اسلامی فرقے کے متعلق دریافت کیا ۔ انھوں نے فتویٰ دیا کہ ان میں جو غالی ہیں ، وہ واجب‌القتل ہیں اور جو غالی نہیں وہ واجب‌التعزیز ہیں ۔ ایک اور فرقے کی نسبت پوچھا جس میں کروڑ پتی تاجر بہت ہیں ۔ فرمایا کہ وہ سب واجب‌القتل ہیں ۔ یہی عالم ان تیس بتیس علما میں پیش پیش اور کرتا دھرتا تھے ، جنھوں نے اپنے اسلامی مجوزہ دستور میں یہ لازمی قرار دیا کہ ہر اسلامی فرقے کو تسلیم کر لیا جائے سوا ایک کے جس کو اسلام سے خارج سمجھا جائے ۔ ہیں تو وہ بھی واجب‌القتل ، مگر اس وقت علی‌الاعلان کہنے کی بات نہیں ، موقع آئے گا تو دیکھا جائے گا ۔ انھیں میں سے ایک دوسرے سر براہ عالم دین نے فرمایا کہ ابھی تو ہم نے جہاد فی سبیل اللہ ایک فرقے کے خلاف شروع کیا ہے ، اس میں کامیابی کے بعد انشاء اللہ دوسروں کی خبر لی جائے گی ۔ اب دیکھیے اقبال کی بصیرت کہ اس نے کیا کہا تھا :

دینِ حق از کافری رسوا تر است
زانکہ ملا مومن کافر گر است
کم‌نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
ملت از قال و اقولش فرد فرد

دینِ کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد
رشتۂ دیں چوں فقیہاں کس نرشت
کعبہ را کردند آخر خشت خشت

انھی مردہ شویوں کے متعلق فیضی نے کہا تھا:

مشاجراتِ فرائض کہ کس مخواناں‌دش
ز من مجوئے کہ ایں علم مردہ شویان است

میں نے علامہ اقبال کو فیضی کی ایک غزل کے دو شعر سنائے۔ کچھ عرصے کے بعد فرمانے لگے کہ لاجواب شعر ھیں، میرے دل میں گھوم رہے ھیں۔ غالباً کچھ اشعار مجھ سے نکلوائیں گے۔ وہ اشعار یہ تھے:

بیا کہ روئے بمحراب گاہ نور نہیم
بنائے کعبۂ دیگر ز سنگ طور نہیم
حطیمِ کعبہ شکست و بنائے قبلہ بریخت
بیا کہ طرح یکے قصر بے قصور نہیم

علامہ اقبال کا تجربہ تھا کہ ملا سنگ دل ھوتا ھے اور لطیف افکار و جذبات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ برتری ھری کا جو شعر ترجمہ کر کے ایک مجموعے کے سر ورق پر لکھا تھا:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ھے ھیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اس کا مصداق یہی گروہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کسی کلام کے مؤثر ھونے کا معیار یہ ھے کہ ملا کے دل پر بھی اس کا اثر ھو۔ چنانچہ فرماتے ھیں:

چناں نالیم اندر مسجد شہر
کہ دل در سینۂ ملا گدازیم

یہ شعر ان کے مزار کی بیرونی دیوار کے اس رخ پر کندہ کر دیا گیا ھے جو جامع مسجد کی طرف ھے۔ میں مصر کے سفیر ڈاکٹر عبدالوھاب عزام کے ھمراہ علامہ اقبال کے مزار پر گیا۔ وہ فارسی کے

عالم ہیں ۔ یہ شعر پڑھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ یہ کام واقعی نہایت دشوار ہے ۔ اس طبقے نے دین کا وقار اور اپنا وقار اس قدر کھویا ہے کہ اگر وہ معقول طور پر بھی کسی بات کے جواز کا فتویٰ دیں تو لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ اس میں ضرور کچھ خلل ہو گا ۔

زاہد ثبوت لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

اقبال نے ملا کے خلاف بہت کچھ کیا لیکن اس طبقے نے تکفیر کا حربہ اس پر نہیں چلایا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ تر اپنا مطلب شعر میں ادا کرتے تھے اور کسی فقیہانہ بحث میں نہیں الجھے ۔ مسلمانوں میں صدیوں سے ایک سمجھوتا ہے کہ شعر میں جو چاہو کہہ ڈالو ۔ اگر وہی بات نثر میں کہو گے تو پٹ جاؤ گے ۔ شعر میں اگر کفر کی بھی تعریف کرو تو وہ تصوف شمار ہوتا ہے اور جب قوال گاتا ہے :

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

تو جوش و مستی اور وفور تأثر سے لوگوں کو حال آ جاتا ہے ۔ اور ممکن ہے کہ کوئی مست 'مسلمانی مرا درکار نیست' کا نعرہ لگاتے ہوئے جان بحق تسلیم کر دے ۔ اقبال نے سچ کہا تھا کہ 'چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعاروں میں'۔ لیکن ملا پر اس نے بے استعارہ اور بے نقط برہنہ تبرا بھی کیا ہے ۔ اس پر بھی ملا ناراض نہیں ہوئے ۔ یہ شاعری کا معجزہ ہے یا اقبال کی کرامات ۔ لیکن اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہر ملا جو ملائیت کی سیرت و کردار کے اس خاکے کو پڑھتا ہے ، وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ دوسرے ملاؤں کی نسبت ہے اور دوسرے ملا ایسے ہی ہوتے ہیں ، میں بفضلہ ایسا نہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ خدا کا اقبال پر یہ بڑا فضل تھا کہ وہ پاکستان کے قیام سے پہلے ہی عالم بقا کو سدھارے ۔ اگر وہ زندہ رہتے تو دستور مملکت اور تشکیل فقہ جدید میں ان کو قائدانہ حصہ لینا پڑتا ۔ اس وقت وہ دیکھتے کہ ملائیت ان کو ایک قدم

اٹھانے نہ دیتی ۔ مجھے مرکزی اسمبلی کی قائم کردہ زکوٰۃ کمیٹی میں اس کا تجربہ ہؤا ۔ ایک قابل صدر کے یک بیک انتقال کر جانے کی وجہ سے 'قرعۂ صدارت بنام من دیوانہ زدند'۔ میں نے گریز کی بہت کوشش کی لیکن مجھے قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا ۔ علما کو برا معلوم ہؤا کہ ان کی مخصوص و محفوظ چراگاہ میں ادھر آدھر سے کوئی غیر جانور گھس آیا ہے ۔ چنانچہ ایک بڑے علامہ نے جو کسی وجہ سے اس کی رکنیت سے باہر رہ گئے تھے ، مجھ سے نہایت تلخ لہجے میں کہا کہ ہماری مخصوص چیزوں میں بھی اگر آپ جیسے لوگ گھس گئے تو پھر ہمارا کہاں ٹھکانا ہے ۔ زکوٰۃ کی روح کو قائم رکھتے ہوئے بعض اداکین فروع میں جدید حالات کے ماتحت تبدیلی چاہتے تھے تاکہ زکوٰۃ کی اصل غرض بوجہ احسن پوری ہو ۔ لیکن لکیر کا فقیر ملا ایک قدم ادھر سے آدھر نہیں ہوتا تھا ۔ کہتے تھے کہ سونے اور چاندی کا بھاؤ دنیا میں کچھ بھی ہو جائے ان کی قوت خرید سو گنا ہو جائے یا کچھ بھی نہ رہے تو پھر بھی مقررہ نصاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔ ارکانِ نماز کی طرح اس کے تمام فروع بھی غیر متبدل ہیں ۔ وہ اس مثال میں یہ بھول جاتے تھے کہ ارکان نماز میں بھی نمازی کی حالت اور مجبوری کو مد نظر رکھتے ہوئے دین نے بے انتہا سہولتیں دی ہیں ۔ وہ اس پر مصر بھی تھے کہ سونے اور چاندی اور اونٹ ، بھیڑ ، بکری پر زکوٰۃ ہے لیکن کروڑوں روپوں کے جواہرات کے ڈھیر پر زکوٰۃ نہیں ۔ اقبال اس فقہ سے نہایت بیزار تھے ۔ اگر وہ بقید حیات ہوتے اور اس نا چیز شاگرد کی جگہ اس کی صدارت فرماتے تو بری طرح ملائیت کی ان سے ٹکر ہو جاتی ۔

ملائی فقہ کی نسبت اقبال کی کیا رائے تھی ؟ اس کے متعلق ایک اور بات سن لیجیےجو میرے سامنے ہوئی ۔ میں علامہ اقبال کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک بیرسٹر صاحب تشریف لائے جو پہلے ہندو تھے اور اب کچھ عرصے سے اپنے مطالعے کی بدولت انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ۔ بیرسٹر صاحب نے کہا کہ میں ایک بڑی مشکل میں مبتلا ہوں آپ اس کا کوئی حل مجھے بتائیے ۔ کہا کہ میں بیوی بچوں والا ہوں ۔

بیوی بہت اچھی ہے ، نیک ہے ، فرماں بردار ہے ، لیکن ہندو ہے - ابھی اسلام کی اس کو کچھ سمجھ نہیں - میرے ذہنی انقلاب کی وجہ سے اس کا فوراً مسلمان ہو جانا دشوار ہے اور میں ایسا تقاضا بھی نہیں کر سکتا ، کیونکہ اس سے گھر کی پر امن فضا میں فساد پیدا ہو جائے گا - بچوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا - تمام مولوی صاحبان جن سے میں نے پوچھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اب وہ تم پر حرام ہو گئی ہے ، اس کو الگ کر دو - اقبال نے کہا کہ دیکھو ہر گز ایسا نہ کرنا وہ بیوی تمھارے لیے بالکل جائز اور حلال ہے - تم بدستور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو ، بلکہ پہلے سے بہتر سلوک کرو ، تاکہ اس کو معلوم ہو کہ مسلمان ہونے سے آدمی زیادہ بہتر انسان ہو جاتا ہے - اب تم کسی مولوی سے نہ پوچھنا میں نے جو کچھ تمھیں کہا ہے ، وہ عین اسلام ہے خواہ کسی فقہ کی کتاب میں درج نہ ہو - اب اقبال اگر اس وقت زندہ ہوتے تو ان کو ایسے پیشوایان دین سے واسطہ پڑتا اور ٹکر لینی پڑتی جنھوں نے فتویٰ دے دیا کہ مسلمان میاں بیوی میں سے اگر ایک پاکستان میں آ جائے اور دوسرا فریق کسی مجبوری سے ہندوستان میں رہ جائے تو طلاق لازمی ہے اور کنبے کے ادھر اور آدھر تقسیم ہو جانے سے ورثے میں بھی حصہ سوخت ہو جانا چاہیے - ملائی فقہ کو اسلام مان لینے سے اس ہندو بیرسٹر کے گھر پر کیا فساد اور انتشار پیدا ہوتا - ملا کا بھی شریعت کے معاملے میں عجب حال ہے - ہندو ماؤں کے بیٹے جب شہنشاہ ہو جاتے تھے تو یہی ملا خطیب بن کر مسجدوں میں ان کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے اور انھیں ظل اللہ قرار دیتے تھے - اس وقت کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اس مسئلے پر اپنی فقہ کو پیش کرے -

اس واقعے کے بعد جھانسی کے اسٹیشن پر ایک رات مجھے کوئی تین گھنٹے ٹھہرنا پڑا - ایک ہندو سے پلیٹ فارم پر ملاقات ہوئی اور وہ اسلام کے متعلق باتیں کرنے لگا - کہا میرا نام آنند کمار چتر بیدی ہے - میں کلکتہ یونیورسٹی کا ریاضی کا ایم - اے ہوں اور اس وقت بہار میں الکشن افسر ہوں - میں اسلام کے معاشی انصاف کی تعلیم سے متاثر ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہوں - لیکن مولوی مجھے مسلمان نہیں ہونے دیتے - کبھی کہتے ہیں کہ تمھیں کسی اسلامی فرقے

میں ضرور داخل ہونا پڑے گا اور سب متفق ہیں کہ تمھاری بیوی کو فوراً طلاق ہو جائے گی - میں بے چاری بے گناہ اپنے بچوں کی ماں کو کیسے چھوڑ دوں - میں نے اقبال والا فتویٰ سنا کر اسے مطمئن کر دیا - شاہان مغلیہ کا قصہ بھی سنایا - ہندوؤں کے اہل کتاب ہونے کے بھی دلائل پیش کیے - وہ ایسا خوش ہؤا کہ اسی وقت اپنی تصویر مجھے دی کہ کل کسی اخبار میں میرے قبول اسلام کا حوالہ دینا ہے -

اقبال اگر اس وقت زندہ ہوتے تو ملائیت سے ان کی بڑی جنگ ہوتی - کچھ ابوالکلامی اور حسین احمدی ملا بھروپ بدل کر یہاں آ گئے ہیں - ابوالکلام کی نظروں میں بھی اقبال کھٹکتا تھا - ابوالکلام کا حافظہ غیر معمولی ہے - عربی ، فارسی اور اردو اساتذہ کے ہزارہا اشعار وہ اپنی تقریروں میں استعمال کرتے ہیں اور تحریروں میں درج کرتے ہیں ، لیکن کیا مجال ہے کہ کبھی بھولے سے کوئی اقبال کا شعر بھی زبان پر آ جائے - انھوں نے شروع سے اقبال کا ذہنی بائیکاٹ کر رکھا ہے - ابوالکلام کے چیلے جو پاکستان میں بھی ہیں اور ہندوستان میں بھی ، کہتے پھرتے ہیں کہ ابوالکلام کا الہلال پڑھنے کے بعد اقبال کی شاعری کا رخ پلٹا - اقبال میں جو کچھ ہے وہ وہیں کا فیضان ہے - پاکستان میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے امام ایک اور صاحب ہیں - پاکستان کا نظریہ آن کے حلق کے نیچے نہیں آترتا تھا ، لیکن اب وہ تمام پاکستان کو نگل جانا چاہتے ہیں - درجنوں کتابیں اور رسالے اسلامی تعلیمات کی توضیح میں لکھ ڈالے ہیں - کوئی پندرہ برس سے اپنا رسالہ بھی نکالتے ہیں اور حل مسائل میں بڑی زیرکی کا ثبوت دیتے ہیں ، لیکن انھوں نے بھی اقبال کا ذہنی بائیکاٹ کر رکھا ہے - کیا مجال ہے کہ کبھی بھول کر اقبال کا شعر لکھ دیں یا کبھی اس کے افکار کا حوالہ دیں - یہ یقین مان لیجیے کہ پاکستان اگر باقی رہ سکتا ہے اور ایک مہذب مملکت کے طور پر ترقی کر سکتا ہے اور ملت اسلامیہ میں نئی روح پھونک سکتا ہے ، تو وہ اقبال کے نظریۂ اسلام اور نظریۂ حیات کو اپنانے ہی سے ہو سکتا ہے - ملائیت اس نظریۂ حیات کی شدید دشمن ہے - دونوں چیزیں یکجا نہیں رہ سکتیں -

حضرت اقبال دیکھتے تھے کہ ملا کے پاس اپنی دینداری کا

فقط یہ ثبوت رہ گیا ھے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پابندی سے نماز پڑھتا ھے ۔ لیکن نماز کا بھی ایک مغز ھے اور ایک اس کا چھلکا ، ایک اس کی صورت ھے اور ایک اس کے معنی ، ایک اس کا ظاھر ھے اور ایک اس کا باطن ۔ اقبال کا تجربہ کچھ عام لوگوں کے تجربے سے اس بارے میں الگ نہ تھا کہ ملا کی نماز محض اعضاء و جوارح کی جنبش اور کچھ الفاظ کی تکرار رہ گئی ھے ، اس کا کوئی حیات افزا اثر اس کی زندگی پر نہیں ھوتا کیوں کہ اس کی یہ میکانیکی حرکت زندگی سے بے تعلق ھو گئی ھے اور اب یہ از روے قرآن 'ویلٌ للمصلین' کا مصداق ھے ۔ آمین بلند یا آھستہ کہنے کے جھگڑوں میں مسجد کے اندر جوتم پیزار ھو جاتا ھے ۔ میرے ایک بزرگ بیان فرماتے تھے کہ ایک روز محلے کی مسجد میں مولوی صاحب کو دیکھا کہ آستین چڑھائے پائنچے آوپر کیے پانی کے گھڑے بھر بھر کر مسجد کو دھو رھے ھیں ۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ کی خدمت دین اور خدمت مسجد کی داد دیتا ھوں ، کس محنت سے آپ اللہ کے گھر کو پاک صاف کر رھے ھیں ۔ فرمانے لگے کہ کیا کروں ایک وھابی کُتّا اس میں نماز پڑھ گیا ھے ، بلند آواز سے آمین کہ گیا ھے اور تمام مسجد پلید ھو گئی ھے ۔ کوشش کر کے اس کو پاک کر رھا ھوں ۔ بھلا وہ کیا نمازیں ھیں جن سے نہ تزکیۂ نفس ھو اور نہ وحدتِ ملت استوار ھو ۔

ھے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ھو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
ملا کو جو ھے ھند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ھے کہ اسلام ھے آزاد

مسجد میں رھتے ھوئے دماغ میں اگر بت خانہ ھو تو وھی مضمون پیدا ھو جاتا ھے جسے عرفی نے ادا کیا ھے کہ شیخ و برھمن کی بت پرستی میں کچھ ظاھری اور سرسری سا ھی فرق ھے ۔ ایک کی آستین میں بت ھیں اور دوسرے کے سر کے اندر بت خانہ ۔ 'او را بت است در سر در آستیں ندارد'۔ اسی مضمون کو اقبال نے ان اشعار میں ادا کیا ھے :

بیاں میں نقطۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا اله میں ہے
طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

ترکی وفد ہلال احمر لاہور میں آیا ۔ ترک مجاہدین شاہی مسجد میں نماز میں شریک ہوئے۔ امام نے شاید مہمانوں کے اعزاز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھیں اور نماز کو خوب طول دیا ۔ اس کے بعد ترک مہمانوں نے علامہ اقبال سے کہا کہ آپ کے امام بڑی لمبی نمازیں پڑھاتے ہیں ۔ ان کے سوال اور اپنے جواب کو اقبال نے ان اشعار میں ادا کیا ہے :

کہا مجاہدِ ترکی نے مجھ سے بعد نماز
طویل سجدہ ہیں کیوں اس قدر تمہارے امام
وہ سادہ مرد مجاہد، وہ مومنِ آزاد
خبر نہ تھی اُسے کیا چیز ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حر کو دنیا میں
اُنھیں کے ذوق عمل سے ہیں اُمتوں کے نظام
طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے
ورائے سجدہ غریبوں کو اور ہے کیا کام

ان اشعار سے کوئی کوتاہ نظر یہ نہ سمجھ لے کہ اقبال نے نماز کی اور سجدہ ریزی بحضور حق کی تحقیر کر دی ہے ۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک لمبی نماز پڑھانے والے امام کی شکایت نبی کریم ؐ کے سامنے ایک شخص نے کی ۔ آن کو امام کی اس بے عقلی پر ایسا غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ نماز میں بوڑھے اور بیمار اور کمزور بھی ہوتے ہیں اور لوگوں کے اور جائز کاروبار اور فرائض بھی ہیں ۔ عبادات و شعائر میں ظواہر پر نظر جمائے رکھنا اور ان کو طول دینا خواہ اس طوالت سے روح غائب ہو جائے، اسی کا نام ملائیت ہے اور ظاہر و باطن کا توازن قائم رکھنے کا نام اسلام ہے ۔

پاکستان ایک نصب العینی اسلامی مملکت بننے کا آرزو مند ہے، لیکن ملائی طبقہ اس فکر میں ہے کہ تفسیر و فقہ و حدیث کی چند کتابیں طوطے کی طرح رٹ کر اس کو اس بات کا حق حاصل ہو جائے کہ ہر مسئلے میں خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشی، اس کی رائے قطعی شمار ہو۔ لیکن فرقوں کو تسلیم کرنے کے بعد قطعی رائے اور متحد فیصلہ کہاں سے آئے گا کیونکہ یہ طے کر دیا گیا ہے کہ ہر فرقے کی رائے اس کے لیے مستند شمار ہوگی۔ بظاہر ان لوگوں نے ایک محاذ بنانے کی تھوڑی سی کامیاب کوشش کی، لیکن یہ وحدت مقصد محض تعمیمات اور بنیادی اصول تک ہے۔ جب عملاً تفصیل کی نوبت آئے گی تو ان کا تشتت اور انتشار نمایاں ہوگا۔ بات بات پر ایک دوسرے کو کافر قرار دینے والے اہم مقاصد میں کس طرح یکجا ہوں گے؟ لیکن فی الحال مقصد یہ ہے کہ ان کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا جائے تاکہ ایک قسم کی کلیسائی تھیوکریسی قائم ہو جائے۔ پاکستان کے لیے یہ سب سے بڑا خطرہ ہے، کیونکہ ان لوگوں کے نہ ضمیر روشن ہیں اور نہ دماغ منور۔

پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار

رسول کریمؐ کی صحیح احادیث میں یہ بھیانک پیش گوئی موجود تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ مسلمانوں میں یہود و نصاریٰ کے سے انداز پیدا ہو جائیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت یہودی ملائیت کے خلاف ایک احتجاج تھا۔ یہودی ملاؤں نے ان کو صلیب تک پہنچا دیا، محض اس لیے کہ وہ مدعیان دین کی ظاہر پرستی اور کور باطنی کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ اس کے بعد نصاریٰ پر بھی مذہبی پیشوائیت کا ویسا ہی حال ہو گیا کہ ایک طبقہ دینداری کا اجارہ دار بن گیا اور اس اجارہ داری سے اہل دین اور اہل دنیا کی تقسیم قائم ہوئی اور زندگی کی وحدت سوخت ہو گئی۔ ایک حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریمؐ نے فرمایا:

یوشک ان یاتی علیکم زمان
لا یبقی من الاسلام الا اسمه و
لایبقی من القرآن الا اسمه ،
مساجدهم عامرة و هی خراب
من الهدیٰ ۔ علماءهم بشر من تحت
ادیم السماء ، من عندهم تخرج الفتنة
وفیهم تعود (رواه البیهقی فی شعب
الایمان)

امت پر ایک زمانہ آنے کو
ہے کہ اسلام کا فقط نام ہی نام رہ
جائے گا اور قرآن کے مرقوم الفاظ
ہی رہ جائیں گے ۔ مسجدیں ویسے
آباد دکھائی دیں گی ، لیکن ہدایت
کے لحاظ سے ویرانہ ہوں گی ۔
علما زیر سما بدترین خلائق ہوں گے
فتنہ انہیں میں سے ابھرے گا
اور انہیں کی طرف لوٹے گا ۔

ذرا ایمانداری سے چشم بصیرت کھول کر اس کا جائزہ لیجیے کہ کیا ہم اس زمانے میں نہیں ہیں ، جس کے متعلق یہ پیش گوئی تھی ؟ کیا مسجدوں کے امام ایسے نہیں ہیں جن سے کسی کو کچھ ہدایت حاصل نہ ہو سکے ؟ وہ فقط آیات و روایات کو دہرانے والے ہیں ۔ ان میں سے کچھ حوصلہ مند سیاست میں حصول اقتدار کے متمنی اور اس کے لیے کوشاں ہیں ، لیکن ابن خلدون جیسا حکیم ان کے متعلق فتویٰ دے گیا ہے کہ 'العلماء ابعد الناس عن السیاست'۔ ایسے لوگ حقائق حیات سے بے گانہ ہونے کی وجہ سے سیاست میں جو مشورہ دیں گے ، وہ غلط ہوگا اور موجب فساد و خسران ہوگا ۔ جب تک اچھی قسم کے علماء دین پیدا نہ ہوں جو روح عصر اور روح اسلام دونوں سے کما حقہ واقف ہوں تب تک اس طبقے کے ہاتھ میں عنان اقتدار دینا پاکستان کو ضلالت کے گڑھے میں دھکیلنا ہے ۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا اور اچھی بصیرت والے لوگ ملائیت کو ابھرنے نہ دیں گے ۔ لا تقنطو من رحمة اللہ ۔

خلیفہ عبدالحکیم

مسٹر کریم احمد خاں طابع و ناشر و مددگار معتمد بزم اقبال
نے ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، ۴ اردو بازار لاہور سے
چھپوا کر دفتر بزم اقبال ، ۲ نرسنگھ داس
گارڈن ، کلب روڈ ، لاہور
سے شائع کیا ۔